سید محمد متین ہاشمی

قصاص کی شرعی حیثیت

لغوی معنی

قصاص کے لغوی معنی۔ القود (بدلے) کے ہیں۔

تاج العروس میں ہے:

القصاص بالکسر القود وھو القتل بالقتل والجرح بالجرح[1]

قصاص بالکسر بدلے کو کہتے ہیں۔ یعنی قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے اور زخم کے بدلے میں زخم لگائے جائیں۔

القصّ۔ القطع (کاٹنا) کے معنی میں بھی آتا ہے[2]

البستانی نے لکھا ہے:

غلب استعمال القصاص فی قتل القاتل۔ وجرح الجارح وقطع القاطع[3]

زیادہ تر لفظ قصاص قاتل کو قتل کرنے، زخمی کرنے والے کو زخمی کرنے، اور کاٹنے والے کو کاٹنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

القصاص تتبع الدم بالقود[4]

قصاص خون کا بدلہ طلب کرنے کو کہتے ہیں۔

---

[1] الزبیدی: تاج العروس: ۴: ۷۲۳ طبع بیروت ۱۹۶۶

[2] ابن منظور: لسان العرب: ۷: ۷۴ بیروت

[3] البستانی: محیط المحیط: ۲: ۲۱۶ طبع بیروت

[4] الراغب الاصفہانی: المفردات فی غریب القرآن: ۴۱۲ طبع مصر

قرآن کریم میں قصاص

قرآن کریم میں ارشاد ہے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی - (البقرہ : ۱۷۸)

اے ایمان والو! تمھارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے آزاد (نے قتل کیا ہو) تو اس کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے (قاتلہ) عورت قتل کی جائے۔

آیت کریمہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہودی لوگ قتل کے بدلے قتل کرتے تھے لیکن عیسائی قاتل کو معاف کر دیا کرتے اور عرب جاہلیت بعض اوقات تو قتل کرتے اور بعض اوقات صرف دیت لینے پر اکتفا کرتے لیکن قصاص اور دیت دونوں میں تعدی کرتے تھے۔ مثلاً اگر کسی قبیلے کے ایک شریف آدمی کو کوئی شخص قتل کر دیتا تو اس کے بدلے قاتل کے قبیلے کے پچاسوں معصوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ کسی شریف نے کسی قبیلے کے ایک فرد کو قتل کر دیا تو اس قاتل سے کہا جاتا کہ ہم تجھے اس وقت چھوڑ سکتے ہیں کہ تیرے سو غلاموں کو قتل کریں۔ پھر وہ قتل میں بھی تعدی کا راستہ اختیار کرتے مثلاً ناک کان کاٹ کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتے، پھر ہاتھ کاٹ لیتے اور پھر تڑپنے دیتے، پھر پیر کاٹتے۔ اس طرح ایذا رسانی کر کے اپنے جذبۂ انتقام کو تسکین پہنچاتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اگر کوئی غلام قتل کر دیتا تو مقتول کے ورثا کہتے کہ ہم اس غلام کے آقا اور آقا کے اقارب کو قتل کریں گے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک روایت لکھی ہے کہ :

"ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ معاملے کو رفع دفع کرانے کے لیے قاتل کے اقارب مقتول کے والد کے پاس آئے اور اس سے دریافت کیا کہ تم اپنے مقتول لڑکے کے عوض میں کیا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا "تین میں سے ایک بات"۔ انھوں نے دریافت کیا کہ وہ کون سی تین باتیں ہیں؟ اس نے کہا:

۱-یا تو تم میرے لڑکے کو زندہ کر دو، ۲-یا میرے مکان کو آسمان سے ستارے لا کر بھر دو، ۳-یا اپنی قوم کے تمام افراد کو میرے حوالے کر دو کہ میں سب کو ٹھکانے لگا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کروں، البتہ اس وقت بھی میں یہ نہیں سمجھوں گا کہ میں نے اپنے کے خون کا بدلہ لے لیا ہے۔[۱]

دوسری بہت بڑی خرابی ان کے نظامِ قصاص میں یہ تھی کہ وہ قتل کے مقدمات کے فیصلے منہ دیکھ کر کیا کرتے تھے، مثلاً اگر کوئی شریف اور بلند مرتبہ آدمی مارا جاتا تو اس کے بدلے سینکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالتے اور اگر اسی درجے کا کوئی معزز آدمی کسی غریب یا کم تر درجے کے آدمی کو قتل کر دیتا تو وہ اس بات کو گوارا نہ کرتے کہ ایک کم تر آدمی کی جان کے بدلے ایک معزز آدمی کی جان لی جائے۔ ایسے قتل کو وہ نظر انداز کر دیتے تھے۔ یہ روگ جاہلیتِ قدیمہ ہی میں نہیں تھا، بلکہ آج کی مہذب دنیا بھی جو جاہلیتِ جدیدہ میں گرفتار ہے، اسی مرض کی مریض نظر آتی ہے۔ انھوں نے رنگ نسل، قومیت شرافت، رذالت اور امارت و غربت کی بے شمار دیواریں، انسانی معاشرے میں کھڑی کر رکھی ہیں، اسی وجہ سے ان کا معاشرہ شکست و ریخت کا شکار ہے اور رفتہ رفتہ اعلیٰ انسانی اقدار سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ہمارے نبیِ امیّ ہاشمی مطلبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام دیواروں کو گرا کر سارے عالمِ انسانیت کو مساوات و حریت کا سبق دیا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا خالق و مالک ہے۔ کالے گورے، عربی عجمی، غلام، آقا، شاہ و گدا، خادم و مخدوم، عالی، دوانی، اشرف و ارذل سب اسی کے بندے اور اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ جس طرح کسی مصور کو اپنی ہر تصویر عزیز اور کسی فن کار کو اپنی تیار کردہ ہر شے پیاری ہوتی ہے، اسی طرح اس کے نزدیک اس کے ہر بندے کی جان، مال، آل و اولاد اور عزت و آبرو عزیز ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

---

[۱] الفخر الرازی: التفسیر الکبیر: ۵: ۵۱ طبع مصر ۱۹۳۸ -

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط

(المائدہ : ۳۲)

جو شخص کسی انسان کو بغیر کسی انسانی خون کے عوض یا بغیر ملک میں کوئی فساد برپا کرنے کے قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اس آیت کریمہ کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بے قصور انسان کو قتل کرنا گویا سارے عالم انسانیت کو قتل کر دینے کے مترادف ہے لہٰذا جب بدلہ لینے کا سوال پیدا ہو تو پھر اونچ نیچ، امیر و غریب اور حاکم و محکوم کے تمام امتیازات کو پس پشت ڈال دینا چاہیے، جیسا کہ پہلی آیت میں گزر چکا ہے کہ:

"اے ایمان والو! تمہارے لیئے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے چنانچہ اگر آزاد نے قتل کیا ہو تو اس کے بدلے آزاد کو قتل کیا جائے، غلام نے قتل کیا ہو تو غلام قتل کیا جائے، عورت نے قتل کیا ہو تو قتل کرنے والی عورت کو قتل کر دیا جائے"[۶]

مذکورہ آیت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

۱۔ اول یہ کہ قصاص لینا امام یا حاکم پر فرض ہے بشرطیکہ اولیائے مقتول قصاص کے طالب ہوں۔

۲۔ دوسری یہ کہ قاتل کو بھی بلا عذر تسلیم نفس کر دینا چاہیے کیونکہ یہ حق العبد ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے حاکم پر از روئے قرآن واجب ہے کہ وہ خالص اور کامل "تسویہ" برتے، یعنی اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کا امتیاز نہ کرے، بلکہ امام شافعی تو صفت قتل (قصاص) میں بھی تسویہ کے قائل ہیں، مثلاً اگر قاتل نے مقتول کو گولی سے مارا ہے تو قاتل کو گولی ماری جائے، اگر آگ میں جلا کر ہلاک کیا ہے تو قاتل کو بھی آگ ہی میں جلا کر ہلاک کیا جائے۔ تاہم امام ابو حنیفہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک اصل چیز بدلہ لینا ہے اور وہ قاتل کی موت سے پورا ہو جاتا ہے۔

---

[۶] البقرہ: ۱۷۸

آگے چل کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الالباب۔ (البقرہ: ۱۷۹)

اور اے عقل و خرد والو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

وھو کلام فی غایۃ البلاغۃ و کان اوجز کلام عندھم فی ھٰذا المعنی[۵۷]

اور یہ انتہائی بلیغ کلام ہے اور اس سلسلے میں اہلِ عرب کے نزدیک اسے موجز ترین کلام کہا جا سکتا ہے۔

امام بیضاوی لکھتے ہیں:

کلام فی غایۃ الفصاحۃ و البلاغۃ حیث جعل الشیٔ محل ضدہ[۵۸]

یہ کلام انتہائی فصیح و بلیغ ہے کیونکہ اس میں ایک شی کو اس کی ضد کی جگہ پر رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی قصاص میں تو دراصل موت واقع ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو حیات سے تعبیر فرما رہا ہے۔ اس اندازِ بیان نے آیت کو فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قصاص بظاہر ازالۂ حیات ہے، لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ "ازالۂ حیات" ہونے کے باعث ہی "مفضی الی الحیاۃ" ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے، اسے یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ وہ بھی قصاص میں قتل ہوگا، اس طرح وہ قتل سے باز آجائے گا تو قاتل (باعتبار ارادۂ قتل) قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا، اور وہ شخص جو قتل ہونے والا تھا، قاتل کے باز آجانے کی وجہ سے قتل ہونے سے بچا رہا۔ اب بات کو آگے ذرا بڑھائیے تو معلوم ہوگا کہ لاکھوں انسانوں کی زندگی بچ گئی۔ کیونکہ وہ تمام لوگ جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ قتل کرتے، جب انھیں پتا چلا کہ قصاص میں وہ بھی قتل کیے جائیں گے تو وہ اپنے ارادے سے باز رہے، اور وہ تمام

---

[۵۷] الآلوسی: روح المعانی: ۲: ۵۱ طبع ملتان

[۵۸] البیضاوی: تفسیر البیضاوی علی حاشیۃ القرآن: ۴۳ طبع مصر

لوگ جو مستقبل میں مقتول ہوتے، قاتلوں کے باز آجانے کے باعث محفوظ رہے۔
اور قتل ہی کو کیوں کہیں، قصاص تو ہر قسم کی جنایتوں کو روک دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ۔ (المائدہ : ۴۵)

اور ہم نے ان پر توریت میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح تمام زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کے بعد جو شخص کسی کو اس کی آنکھوں سے محروم کرنے کا ارادہ کرے گا اسے پہلے یہ سوچنا ہوگا کہ پکڑے جانے کی صورت میں اسے بھی اپنی آنکھیں کھونی ہوں گی، اور یہ تصور مختلف قسم کی خون ریزیوں اور تصادموں کو روکنے کا باعث بنے گا۔

سنت میں قصاص

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناحق قتل کو کفار کا عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض ۹ے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

امام قسطلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

او لا تکن افعالکم شبیہۃ بافعال الکفار فی ضرب رقاب المسلمین ۱۰ے

یعنی تمہارے اعمال کافروں کے افعال کی طرح نہ ہو جائیں کہ مسلمانوں کی گردنیں مارنے لگو۔

۹ے البخاری : ۲ : ۱۰۱۴، طبع کرزن پریس دہلی
۱۰ے علی ھامشۃ البخاری : ۲ : ۱۰۱۴

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ ناحق کو اکبر الکبائر فرمایا ہے:

عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکبر الکبائر الا شراک باللہ وقتل النفس وعقوق الوالدین وقول الزور[11]

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اکبر الکبائر اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی کو (ناحق) قتل کرنا، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی شہادت دینا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلمان پر ہتھیار اٹھانے والے کو اپنے طریق سے خارج فرمایا ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حمل علینا السلاح فلیس منا[12]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ہمارے اوپر (مسلمانوں پر) ہتھیار اٹھائے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

البتہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرئ مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینہ التارک للجماعۃ[13]

حضرت عبداللہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سوائے تین صورتوں کے حلال نہیں ہے۔ ایک نوجان کے بدلے جان (قصاص) دوسرے شادی شدہ اگر زنا کرے اور تیسرے اس شخص کا جو اپنے دین (اسلام) کو ترک کرے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

---

[11] البخاری: ۲: ۱۰۱۵

[12] ایضاً

[13] البخاری: ۲: ۱۰۱۶

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناحق قتل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مبغوض بتلایا ہے:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغض الناس الی اللہ ثلثۃ ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاهلیۃ ومطلب دم امرئ بغیر حق لیهریق دمہ[۱۴]

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تین آدمی سخت ناپسند ہیں۔ ایک تو حرم پاک میں زیادتی کرنے والا، دوسرا وہ شخص جو اسلام قبول کرنے کے باوجود جاہلی رسوم کو اختیار کرے۔ تیسرا وہ جو کسی کا ناحق خون بہانا چاہے۔

مسلمان کے قتل کو اللہ تعالیٰ کس قدر ناپسند فرماتا ہے۔ اس کا اندازہ اس روایت سے کیجیے:

عن عبد اللہ بن عمرو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لزوال الدنیا اهون علی اللہ من قتل رجل مسلم[۱۵]

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان شخص کے قتل کے مقابلے میں ساری دنیا کی تباہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ حقیر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس دن میزان قائم ہوگی اور اعمال کا محاسبہ ہوگا، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے خونِ ناحق کا حساب لے گا:

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما یقضی بین العباد فی الدماء[۱۶]

حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے دن) سب سے پہلے خون (ناحق) کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

---

[۱۴] البخاری: ۲ : ۱۰۱۶

[۱۵] الترمذی: ۲۲۰ طبع نور محمد کراچی۔ [۱۶] ایضاً

خونِ ناحق میں شرکت

اگر خونِ ناحق میں بہت سے لوگ شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو جہنم میں ڈال دے گا اور سب سے بدلہ لیا جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

قال لو ان اهل السماء و اهل الارض اشترکوا فی دم مومن لاکبهم الله فی النار[17]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان والے اور تمام زمین والے کسی مومن کو قتل کرنے میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو اوندھا منہ جہنم میں ڈال دے گا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

ان غلاما قتل غیلة فقال عمر لو اشترک فیها اهل صنعاء لقتلتهم به[18]

ایک بچے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا تھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اس کے قتل میں سارے صنعا کے لوگ شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے سب کو قتل کر دیتا۔

تفصیلات یوں ہیں کہ صنعا میں ایک عورت رہتی تھی جس کا شوہر اپنے ایک لڑکے کو جو دوسری بیوی سے تھا اس کے سپرد کر کے کسی دوسری جگہ چلا گیا تھا، شوہر کی عدم موجودگی میں اس عورت کی کسی دوسرے شخص سے آشنائی ہو گئی۔ (غالباً لڑکے نے قابلِ اعتراض حالت میں اپنی سوتیلی ماں کو دیکھ لیا تھا) تو اس عورت نے اپنے آشنا سے کہا کہ اس لڑکے کو قتل کر دو ورنہ یہ سارا بھانڈا پھوڑ دے گا اور ہم لوگ رسوا ہو جائیں گے لیکن عورت کا آشنا اس پہ راضی نہ ہوا۔ عورت نے اپنے آشنا سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ناچار وہ بچے کے قتل پہ آمادہ ہو گیا اور اپنے ایک دوسرے ساتھی کو لایا اور عورت اور اس کے ملازم، چاروں نے مل کر لڑکے کو قتل کر کے اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے

---

[17] الترمذی: ۲۲۱ [18] البخاری: ۲: ۱۸

ڈالے اور سب کو ایک کنویں پھینک دیا۔ لاش کنوئیں سے برآمد ہوئی اور یمن کے گورنر نے تحقیقات کی۔ عورت کا آشنا گرفتار ہوا اور اس نے قتل کا اعتراف کر لیا۔ دوسرے قاتل بھی پکڑے گئے اور سب نے اعترافِ جرم کر لیا۔ تب گورنر نے حضرت عمر رضؓ کو تمام تفصیلات سے آگاہ کر کے ان سے حکم دریافت کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمان بھیجا کہ "سب کو قتل کرادو"۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا تھا جبکہ تین آدمیوں نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تھا تو حضرت علیؓ نے تینوں کو قصاص میں قتل کرادیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے قتل میں شریک ہونے پر ایک پوری جماعت کو قتل کرا دیا تھا اور ان کے زمانے میں کسی صحابیؓ نے اس پر اعتراض نہیں کیا، لہٰذا تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا۔[19]

اسی بنا پر امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ اگر ایک جماعت مل کر کسی شخص کو قتل کر دے تو سب سے قصاص لیا جائے گا:

واذا قتل جماعۃ واحداً عمداً اقتص من جمیعھم لقول عمر رضی اللہ عنہ فیہ لو تمالا علیہ اھل صنعاء لقتلتھم۔[20]

اور جب ایک جماعت مل کر ایک شخص کو عمداً قتل کر دے تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق کہ اگر (اس بچے کے قتل پر) تمام صنعا والے تعاون کرتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔

فتاویٰ عالم گیری میں بھی اسی قسم کا حکم مرقوم ہے:

واذا قتل جماعۃ واحداً لقتل الجماعۃ بواحد۔[21]

---

[19] عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی: ۲: ۴۰

[20] المرغینانی: ھدایہ: ۴: ۵۵۶ طبع مجتبائی دہلی۔

[21] فتاویٰ عالم گیری: ۶: ۵ طبع مصر۔

اور جب ایک جماعت مل کر کسی ایک شخص کو قتل کر دے تو ایک شخص کے قصاص میں ساری جماعت کے افراد قتل کیے جائیں گے۔

یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے۔ المدونۃ الکبریٰ میں ہے:

(قلت) ارایت النفر اذا اجتمعوا علی قتل امرأۃ ایقتلون بہا فی قول مالک (قال) نعم[۲۲]

میں نے دریافت کیا کہ امام مالک کے قول کے مطابق کیا اگر چند آدمی مل کر کسی عورت کو قتل کر دیں تو وہ سب اس عورت کے قصاص میں قتل کیے جائیں گے؟ انھوں نے جواب دیا۔ "ہاں"

اکراہ

اگر کسی شخص نے کسی سے جبراً کسی کو قتل کروایا تو امام مالک کے نزدیک جبر کرنے والے اور مجبور ہونے والے دونوں سے قصاص لیا جائے گا، لیکن امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جبر کرنے والے سے قصاص لیا جائے گا[۲۳]

علامہ ابن رشد نے امام ابو حنیفہؒ اور داؤدؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجبور ہونے والے (مکرَہ) کو دوسری سزا دی جائے گی[۲۴]

اکراہ کا مفہوم

لغت میں اکراہ کہتے ہیں:

حمل الانسان علی شئ یکرہ۔[۲۵]

کسی انسان کو کسی ایسی چیز پر مجبور کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔

---

[۲۲] امام مالک: المدونۃ الکبریٰ: ۶: ۴۲۷ طبع بیروت

[۲۳] ابن قدامہ: المغنی: ۹: ۳۲۰

[۲۴] ابن رشد: بدایۃ المجتہد: ۲: ۳۹۶ طبع مصر

[۲۵] ابن نجیم: بحر الرائق: ۸: ۷۰ طبع مصر

فقہ کی اصطلاح میں اکراہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جس کا ارتکاب دوسرے کے مجبور کرنے پر کرے اور اس کی رضا زائل ہو جائے [۲۶]

اکراہ کی قسمیں

اکراہ کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ ایک تو وہ جس میں رضا زائل اور اختیار فاسد ہو جائے اور مکرہ (مجبور کیے جانے والے کو) کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو، اس اکراہ کو اکراہِ تام کہتے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے کہ رضا تو نہ ہو لیکن کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو اور جان کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، البتہ جیل جانے اور ہلکی مار پڑنے کا اندیشہ ہو، اسے اکراہِ ناقص کہتے ہیں۔

اکراہِ ناقص کا جرائم پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے فلاں شخص نے یہ دھمکی دی تھی کہ چوری کرو ورنہ تمھیں جیل بھجوا دوں گا۔ یا مار مار کر تمھارا منہ لال کر دوں گا تو اس کا یہ عذرِ اکراہ قابلِ قبول نہ ہوگا۔

شرائطِ اکراہ

اکراہ کے وجود اور ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل حالات کا ہونا ضروری ہے :

۱۔ مثلاً کوئی شخص قتل، ضربِ شدید اور حبسِ طویل کی دھمکی دے۔ اس طرح کی دھمکیوں سے متاثر ہو کر اگر کسی نے شراب پی لی یا جوا کھیل لیا، یا چوری کر لی تو اسے اکراہ تسلیم کیا جائے گا، لیکن اس دھمکی سے متاثر ہو کر اگر قتل کر دیا جبکہ (مجبور کرنے والے نے مجبور کیا ہو) تو وہ اکراہ نہیں تسلیم کیا جائے گا [۲۷]

۲۔ گالی۔ تہمت اور الزام کی دھمکی کو بھی اکراہ میں شمار نہیں کیا جاتا [۲۸]

۳۔ صاحبِ اقتدار اگرچہ کھلم کھلا دھمکی نہ بھی دے تاہم اس کے حکم سے روگردانی

---

[۲۶] ابن نجیم : بحر الرائق : ۸ : ۷۰ طبع مصر

[۲۷] التشریع الجنائی : ۲ : ۵۶۶

[۲۸] المغنی : ۸ : ۲۶۱ -

دھمکی بھی آجاتی ہے جو قتل، ضربِ شدید یا حبسِ طویل کی شکل میں صورت پذیر ہو سکتی ہے[۲۹]

۴۔ اتلافِ مال کی دھمکی امام مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک اکراہ کے ضمن میں آتی ہے بشرطیکہ مال کثیر ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال خواہ قلیل ہو یا کثیر اس کے اتلاف کی دھمکی اکراہ کے ضمن میں نہیں آتی[۳۰]

۵۔ استحساناً حبس والد یا حبسِ ولد کی دھمکی بھی اکراہ میں داخل ہے[۳۱]

اکراہ کا حکم

جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے اکراہ کا حکم بھی مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ یہ کہہ کر کوئی شخص سزا سے بچ نہیں سکتا کہ اس نے اس جرم کا ارتکاب اکراہ کے تحت (UNDER COMPULSION) کیا تھا۔

مثلاً اس بات پر فقہا کا اتفاق ہے کہ قتل یا کسی شخص کے عضو کو کاٹ دینا یا اسے اس طرح مارنا کہ ہلاک ہو جائے، اس طرح کے جرائم کے ارتکاب میں مجرم کا یہ کہنا کہ اس نے اکراہ کے تحت ارتکاب کیا تھا مجرم سے رفعِ عقوبت نہیں کرتا، اور اسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

بحر الرائق میں ہے:

یعنی لو اکرہ علی قتل غیرہ بالقتل لا یرخص لہ القتل لاحیاء نفسہ لان دلیل الرخصۃ خوف التلف والمکرہ والمکرہ علیہ سواء فی ذلک فسقط الکرہ ولان قتل المسلم بغیر حق مما لا یستباح لضرورۃ ما فکذا بالاکراہ وھذا لا نزاع فیہ[۳۲]

---

[۲۹] التشریع: ۲: ۵۶۶ و بحر الرائق: ۸: ۷۱ [۳۰] ایضاً

[۳۱] ابن عابدین: رد المحتار: ۵: ۸۴ طبع مصر

[۳۲] ابن نجیم: بحر الرائق: ۸: ۷۴

یعنی اگر کسی کو دھمکی دی گئی کہ فلاں کو قتل کر دو، ورنہ تمھیں قتل کر دیا جائے گا تو اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے کہ اجازت تو خود کو ہلاکت سے بچانے ہی کی صورت میں دی جاتی ہے اور اس اعتبار سے مکرہ (مجبور کیا جانے والا) اور مکرہ علیہ (جس پر مجبور کیا جا رہا ہے) دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا اکراہ کا حکم ساقط ہو گیا۔ مزید یہ کہ کسی مسلمان کے ناحق قتل کو تو کسی صورت میں بھی مباح نہیں قرار دیا جا سکتا، پھر اکراہ کی صورت میں کس طرح مباح ہو گا۔ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۱۔ البتہ عقوبت کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ امام احمد اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مکرہ (بالفتح) سے بھی قصاص لیا جائے۔

امام شافعی کی بھی راجح رائے قصاص ہی کے حق میں ہے۔ احناف میں امام زفر قصاص کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور محمد ایسی سخت سزا کے قائل ہیں جسے حاکم مناسب خیال کرے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مکرہ (بالفتح) سے دیت وصول کی جاتے۔

۲۔ دوسری قسم کا اکراہ وہ ہے جس کے ارتکاب (تحت الاکراہ) کی اجازت تو ضرور ہے لیکن اگر ارتکاب نہ کرے تو بہت بڑے اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

مثلاً کلمۂ کفر بکنے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے یا ترک صلوٰۃ پر مجبور کیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر مصائب جھیل لے اور ان گناہوں کا ارتکاب نہ کرے تو یہ عین عزیمت اور باعث صد اجر و ثواب ہے۔ لیکن اگر اتنی ہمت نہ ہو اور دل کو ایمان پر مطمئن رکھتے ہوئے محض جان بچانے کی خاطر کلمۂ کفر بک دے تو معاف ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اسے دھمکی دی جائے کہ مردار کھا لو یا شراب پی لو ورنہ تمھیں قتل کر دیا جائے گا تو جان بچانے کی خاطر ایسا کرنا مباح ہے اور اگر ایسا کر کے جان نہ بچائے گا تو گنہ گار ہو گا۔[۴۳]

۴۳۔ بحر الرائق۔ ۸ : ۷۳